عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی!!

ادارہ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ غزالی

رجب ۱۴۲۴ھ / ستمبر ۲۰۰۳ء

زیر سرپرستی: مولانا پروفیسر ڈاکٹر میاں سعید اللہ جان دامت برکاتہم

بانی: ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ (خلیفہ مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ)

مدیر مسئول: ثاقب علی خان

مجلس مشاورت: مولانا محمد امین دوست، پروفیسر مسرت حسین شاہ، بشیر احمد طارق، قاضی فضل واحد، مولانا طارق علی شاہ بخاری۔

جلد دوم:
شمارہ: ۱

فہرست

فی شمارہ: ۱۵ روپے

سالانہ بدل اشتراک: ۱۶۰ روپے

خط و کتابت کا پتہ: مکان P-12 یونیورسٹی کیمپس پشاور۔

حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ

ابتدائیہ

بندہ پر اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ایک یہ احسان ہوا کہ بندہ کے درس تفسیر کے شاگرد برخوردار عثمان نے پشاور بورڈ کے ایف۔ایس۔سی پری میڈیکل گروپ میں اول پوزیشن حاصل کی۔ برخوردار بندہ کے محترم دوست پروفیسر ڈاکٹر امیر خان صاحب (جغرافیہ ڈیپارٹمنٹ پشاور یونیورسٹی) کے صاحبزادے ہیں برخوردار عثمان کو اللہ تعالیٰ نے پوری باشرع زندگی عطا فرمائی ہے۔ جس طرح انہماک سے انھوں نے پڑھائی کی ایسے ہی انہماک سے وہ بندہ کے درس تفسیر اور مجالس ذکر میں شمولیت اختیار کرتے ہیں۔ان کے دوست ان کے اخلاق سے متاثر ہیں اور والدین ان کی عادات کے مداح ہیں۔ برخوردار عثمان کے علاوہ برخوردار ندا ءاللہ اور وقار احمد اور سلیمان اشرف بھی کامیاب ہوئے۔ ہر چار حضرات کے لیے دنیا کے لحاظ سے بہتر مستقبل اور آخرت میں سرخروئی کی دعا ہے۔

تعزیت:

برخوردار ڈاکٹر امداد اللہ صاحب کی والدہ محترمہ بقضائے الٰہی دنیا سے رحلت فرما گئیں۔ مرحومہ ذاکرہ شاغلہ اور عابدہ خاتون تھیں، خدمت خلق کا خاص جذبہ تھا۔وفات کے وقت بغیر تلقین کے خود کلمہ پڑھا۔ پاس موجود حضرات نے یہ بات دیکھی کہ وفات کے فوراً بعد بیماری کا کرب و اضطراب چہرے سے مکمل دور ہو گیا اور چہرے پر رونق اور شادابی آ گئی۔ پیشانی عرق آلود ہوگئی جو احادیث کے مطابق مؤمن کی وفات کی علامت ہے۔ادارہ اس غم میں پسماندگان کے ساتھ شریک ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ

اصلاحی مجلس (قسط نمبر '۳')

لاہور کی جیلوں کی ٹریننگ کالج کے پرنسپل نے مجھے ایک واقعہ سنایا کہ انھیں حکومت پاکستان نے امریکہ، وہاں کی جیلوں کا معائنہ کرنے کے لیے بھیجا کہ وہاں سے کچھ سیکھ کر یہاں کام میں لایا جائے۔ انھوں نے کہا کہ امریکہ میں ۸۰ ہزار جیلیں ہیں اور ان کی ۴ کروڑ کی آبادی جیلوں میں ہے جبکہ کل ۲۴ کروڑ کی آبادی ہے۔ یہ کوئی پانچ سات سال پہلے کا واقعہ ہے۔ اس کے مقابلے میں پاکستان کی آبادی ۱۲ کروڑ ہے اور ۸۰ جیلیں ہیں۔ اور ۸۰ ہزار قیدی ہیں اِتنا فرق ہے!۔ انھوں نے کہا کہ اِن کے ۴۰ لاکھ بچے دسویں کے امتحان میں شامل ہوتے ہیں۔ ان میں ۲۴ لاکھ پاس ہوتے ہیں اور ۱۶ لاکھ فیل ہوتے ہیں۔ اور یہ ۱۶ لاکھ ۳ سالوں کے اندر اندر جرائم کر کے جیلوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ ان کے جیلوں میں ملازمین وافسران کی بڑی تنخواہیں ہوتی ہیں کہ یہ بڑا خطرناک کام ہے۔ مرد اور عورتیں ملازم ہوتے ہیں قیدی اِن کو مارتے ہیں اور عورتوں کے ساتھ بدکاری کرتے ہیں۔ سال کے آخر میں Data جمع کرتے ہیں تو نظام کی اچھائی اور برائی کا موازنہ کرتے ہیں ۔ خیر ایک سال کے آخر میں Data سے پتہ چلا کہ چند جیلوں میں کوئی ہنگامہ لڑائی اور بدکاری کا واقعہ پیش نہیں آیا۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ ان جیلوں میں کچھ کالے حبشی مسلمان قیدیوں نے نماز اور تعلیم وغیرہ شروع کی ہے۔ اور مزید تفصیل پر پتہ چلا کہ کچھ مسلمان تبلیغ والے تھے جو کسی وجہ سے جیل میں چلے گئے تھے اور انھوں نے یہاں آکر بھی نماز اور تعلیم شروع کردی۔ ۱۹۹۱ء میں جب بڑے بُش نے عراق پر حملہ کیا تو اُسی دوران اس نے یہ حکم دیا کہ تمام جیلوں میں مسلمانوں کی عبادت وتعلیم شروع کی جائے Muslims worship and teachings should be started in the jails. تو صرف ۱۵۰ جیلوں میں نماز وتعلیم شروع کرائی اور امریکی حکومت نے انکو اجازت دی کہ کھانے کا تم اپنا میس چلاؤ۔ تو کہتے ہیں کہ جب کوئی امریکی لڑکا گرفتار ہو کر آتا تھا تو وہ دیکھتا تھا کہ ایک یہودیوں کا میس ہے، ایک کرسچین میس اور ایک پر لکھا ہے حلال میس۔ تو وہ پوچھتا تھا کہ حلال کیا ہے تو وہ کہتے یہ مسلم میس ہے مسلمانوں کے کھانے کا۔ تو وہ کہتا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا کھانا تو کھایا ہوا ہے چلو حلال کا تجربہ کرتے ہیں۔ تو جب کوئی وہاں آتا تو وہ کہتے کہ ہمارے یہاں شراب نہیں ہوگی بلکہ کوئی سافٹ ڈرنک یعنی شربت وغیرہ ہوگا۔ جب وہ امریکی لڑکا تین یا چار بار حلال کھانا کھاتا ہے تو اس کو بڑا مزہ آتا ہے جبکہ حرام کھانے سے اس کے پیٹ میں بخارات کا بننا، بوجھ

ہونا اور سر کا بھاری ہونا وغیرہ ہوتا تھا، جو کہ حلال کھانے سے نہیں ہوتا۔ تو جیل کے حکام سے جا کر کہتا کہ اگلا ہفتہ پھر میں مسلم میس میں رہنا چاہتا ہوں۔ جب تیسرے ہفتہ وہ مسلم میس رہنا چاہے تو اسے بتایا جاتا ہے کہ اس کے لیے تمھیں مسلمانوں کے پادری یعنی امام سے اجازت لینی ہوگی۔ اور جب وہ امام سے تیسرے ہفتے میس کی اجازت طلب کرتا ہے تو وہ کہتے کہ دو ہفتے ہمارے میس کا کھانا کھاتے رہے ہو۔ اور نہ ہماری نماز آ کر دیکھی اور نہ تعلیم میں بیٹھے ہو یہ تو بڑا مشکل ہے، تو وہ امریکی لڑکا نماز، تعلیم دیکھنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ اب جب وہ ان کی تعلیم میں بیٹھتا ہے اور انکے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو چوتھے ہفتے وہ مسلمان ہو چکا ہوتا ہے اور اسلام قبول کر لیتا ہے۔ اُس پرنسپل صاحب نے بتایا کہ پچھلے سال چار لاکھ جیل کے آدمی مسلمان ہوئے ہیں۔

ایک دفعہ ایک امریکی جماعت میں بیوی سمیت آیا۔ مجھے ساتھیوں نے پیغام بھیجا کہ تم آؤ اور اسکو لیکر اسلامیہ کالج کے پروفیسروں اور طالب علموں سے ملواؤ۔ اُس نے ایسی خوبصورت پگڑی باندھی ہوئی تھی اور تہہ کی ہوئی چادر اُس نے کندھے پر ڈالی ہوئی تھی اور ہاتھ میں لاٹھی لی ہوئی اور چھ فٹ اُس آدمی کا قد۔ جو اس نے سنا کہ یہ سنت ہے بس اُس نے اُس کو لے لیا۔ خیر اُسکو میں لے گیا اور پہلے پروفیسروں ملایا تو انھوں نے کہا کہ طلباء کو جمع کر کے ان کی تقریر ہونا چاہیے۔ انھوں نے طلباء کو جمع کر لیا تو یہ آدمی تقریر کے لیے کھڑا ہوا۔ اس نے انگریزی میں بیان کیا۔ ایک کیمسٹری کا پروفیسر کمیونیزم سے متاثر تھا، اُس کا دماغ چکرایا ہوا تھا۔ تو اس نے امریکی سے سوال کیا کہ آپ کہہ رہے ہیں کہ اللہ ہے رسولؐ ہے آخرت ہے مگر آپ کوئی عقلی ثبوت نہیں دے رہے، ہمیں تو ہر بات کا عقلی ثبوت دیں۔ وہ امریکی مسلمان بڑے جذبے میں آیا اور اُس نے پروفیسر کو کہا کہ دیکھو میں دلائل سے مسلمان نہیں ہوا ہوں میں عمل سے مسلمان ہوا ہوں۔ میں نے اِن لوگوں کا عمل دیکھا ہے اور میں جو کھڑا تقریر کر رہا ہوں تو تیرا کیا خیال ہے میں کوئی عالم ہوں۔ میں عالم نہیں ہوں بلکہ ”There is fire in my heart which makes me speak. (کہ میرے دل میں آگ لگی ہوئی ہے تو مجھے بُلوا رہی ہے۔) اُسنے جب یہ بات کہی تو میں نے دیکھا کہ میرے اردگرد جو گیارہویں و بارھویں کے طلباء بیٹھے ہوئے تھے اُنکی آنکھوں میں آنسو جاری ہوئے۔ تو میں نے تھوڑی دیر کے لیے سوچا کہ یا اللہ یہ اُس ملک کا باشندہ ہے جہاں فحاشی و عریانی کی حد ہوگئی ہے، اس نے اسلام قبول کیا ہے اور کیسے طریقے سے بیان کر رہا ہے۔ کہیں کل ایسا نہ ہو جائے کہ اسلام لا کر کامیابی کے سارے نقشے ان کے ہاتھ میں آ جائیں اور ہم اِسی جگہ پڑے رہ جائیں۔

ایک امریکی کالج کا طالب علم تھا مسلمان ہو کر رائے ونڈ میں آیا ہوا تھا۔ یرقان کی بیماری سے آنکھیں پیلی تھیں اُس کو ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ میں جب وہاں گیا تو انھوں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب تم جلدی جاؤ ہسپتال میں امریکی داخل ہے۔ اُس کے ساتھ رہو گے ہسپتال میں اُس کا علاج ہو رہا ہے۔ اُس کا خیال بھی رکھو گے اور تعلیم بھی کیا کرو گے۔ انگریزی میں کتاب پڑھو گے کہ اُس کا دل لگا رہے اور ہسپتال کے چار دن میں اُس کا ذہن نہ بدل جائے۔ میں چلا گیا اور اس سے ملا، ظہر کی اذان ہوئی وہ اور میں اٹھے اور نماز پڑھ کر آئے۔ اس نے کہا کہ see, people around us are muslims. کہ کیا ہمارے اردگرد مسلمان ہیں؟ میں نے کہا جی ہاں۔ تو اس نے کہا کہ وارڈ کے لوگوں نے نماز نہیں پڑھی ہے۔ میں نے کہا مسئلہ یہ ہے کہ دراصل یہ نسلی مسلمان ہیں نماز تب پڑھیں گے جب انکو نماز کی تبلیغ کی جائیگی۔ اس نے کہا اچھا جی۔ خیر میں نے کہا آپ لیٹ جائیں اور میں اہسپتال کے پاس ایک چوک ہے گوالمنڈی کی طرف چلا گیا، وہاں سے کچھ سیب اور انگور وغیرہ لانے تھے۔ جب میں واپس آیا تو وہ بڑا خوش چارپائی میں بیٹھا تھا۔ اس نے کہا کہ دیکھو جب تم چلے گئے ناں تو میرا دل چاہا کہ میں سب لوگوں کو تبلیغ کروں۔ تو میرے پاس چارپائی پر دوسرا آدمی ہے میں اُس آدمی سے کہا کہ تجھے انگریزی آتی ہے؟ اس نے کہا کہ آتی ہے۔ تو اس کو ساتھ لیا اور ان ۳۲ کے ۳۲ مریضوں کو اور ان کے رشتہ داروں کو میں نے تبلیغ کی ہے۔ اب جب عصر کی نماز کا وقت ہوگا تو ہم نماز کیلیے انکو لے کر جائینگے۔ عصر کی اذان ہوئی تو وہ کھڑا ہوا اور کہا کہ come on, come on for prayer یعنی آؤ آؤ نماز کے لیے۔ یا اللہ امریکی طالب علم انگریزی کالج کا اور نسلی مسلمانوں کو اُٹھا کر نماز کے لیے جا رہا ہے۔ سبحان اللہ۔ اور ۴ دن میں اللہ تعالیٰ نے اِس کو شفا دے دی اور جس دن میں اس کو لے جا رہا تھا۔ تو وارڈ کے مریض اور انکے رشتہ دار، نرسیں، ڈاکٹر اور سب لوگ کھڑے تھے اور اُس نے عربی لباس پہنا ہوا تھا اور سر پر رومال ڈال ہوا ہے اور سب جلوس بنا کر اُس کے پیچھے گئے کہ آج عبداللہ یاسین جا رہا ہے۔

ایک برطانوی مسلمان ہوا تو اُس کو پشاور یونیورسٹی بھیجا۔ میں نے کہا آئیں میں آپ کو لے جاتا ہوں کہ آپ طلباء سے تھوڑی سی بات کریں وہ انگریزی سمجھتے ہیں۔ اُس کو میں بیان کے لیے لے گیا تو اُس نے کہا کہ دیکھو تم لوگوں کے اندر کوئی خاص کشش نہیں تھی کہ میں تمھاری وجہ سے مسلمان ہوا ہوں۔ بلکہ میں اُس زندگی کی گندگیوں سے جو میں وہاں گزار رہا تھا تنگ آ کر مسلمان ہوا ہوں۔ بیان کے بعد اُس نے کہا کہ

Now the things which we have spitted you are liking them

’’کہ وہ چیزیں جنھیں ہم نے تھوکا ہے تم انھیں چاٹ رہے ہو۔‘‘ اِس آدمی نے تہبند پہنی ہوئی تھی کہ حضورؐ نے پہنی ہے لہذا میں بھی پہنوں گا۔

ہم کو سنت پر فخر ہونا چاہیے۔ جناب رسولؐ اللہ کے طریقے پر فخر ہونا چاہیے۔ اور اگر تو فخر نہیں کریگا تو کافر مسلمان ہو کر اِس کو لے گا اور اس پر فخر کریگا۔ اور اللہ اُس کو ساری دنیا کی سرداری دیگا اور آخرت کا اعزاز دیگا۔ اس امت پر وہ دور بھی گزار ہے کہ ترکیہ کا عثمانی سلطان سال میں ایک مرتبہ تاج وشاہی لباس پہن کر آتا تھا اور بیت اللہ شریف میں جھاڑو دیتا تھا، پھر مسجدِ نبویؐ میں جاتا اور روضہ مبارک پر جھاڑو دیتا تھا اور گرد کو اُٹھا کر اپنے ساتھ لے جاتا اور جھاڑو کو اپنے دربار میں رکھتا تھا۔ اور جب بادشاہ کی تخت نشینی ہوتی اور اُس کو تخت پر بٹھایا جاتا تو جھاڑو اُس کے تاج پر رکھا جاتا تھا کہ بنی کریم ﷺ کی قبر مبارک پر استعمال ہونے والا جھاڑو ہمارے تاج پر رکھا جائے۔ اِس قدر تعلق تھا مسلمان کا جناب رسولؐ اللہ سے۔ اور سلطان عبدالمجید نے مسجد نبویؐ کو بنایا ہے۔ جو اگلا حصہ ہے یہ سلطان عبدالمجید نے بنایا ہے۔ ابھی بھی قبلے کی مخالف سمت کا جو درمیانی دروازہ ہے اُس کو بابِ مجیدی کہتے ہیں۔ جب علماء نے کہا کہ بادشاہ سلامت مسجد نبویؐ تیار ہوگئی ہے اب اِس کا افتتاح کرنے کے لیے آپ آئیں، تو اس نے کہا کہ یہ منہ اِس قابل نہیں ہے کہ میں اِس مسجد کا افتتاح کروں میں اپنے آپ کو حضور ﷺ کی مسجد کے افتتاح کے قابل نہیں پاتا۔ علماء نے بڑا کہا کہ آپ آئینگے آپ نے بڑی محبت سے بنائی ہے۔ اس کا ایک ستون ہے پورا ایک سنگِ سرخ سے بنا ہوا ہے وہ اندر سے خالی ہے اور اس کے اندر لوہا ڈال کر بھرا ہوا ہے۔ سعودی حکومت نے نئی تعمیر کرنے کے لیے ان ستونوں کو گرانا چاہا، انکی کرینیں فیل ہوگئیں مگر ان ستوتوں کو نہ گرا سکیں۔ ایسی محبت اور اخلاص سے انھوں نے بنایا ہے۔ تو سلطان نے کہا کہ مجھے رسیوں سے اور زنجیروں سے باندھ کر مجرموں کی طرح لے جا کر دروازے پر کھڑا کروگے۔

چلا ہوں ایک مجرم کی طرح میں جانب طیّبہ   نظر شرمندہ شرمندہ قدم لرزیدہ لرزیدہ

سلطان کو اس طرح لا کر کھڑا کیا گیا۔ اور یہ ادا اتنی پسند آئی ہے کہ سب دروازوں کا نقشہ بدل گیا مگر باب المجیدی اب بھی ہے اور شاید قیامت تک رہے گا۔

دیکھ کر ان کو شاہوں کے سر جھک گئے   ان کے ادنیٰ غلاموں میں شامل ہوئے

سلاطین ہیں غلامانِ محمدؐ   غلامانِ محمدؐ ہیں سلاطین

آرزو آدم و عیسٰی نے تمھاری کی ہے   کتنے معصوم رسولوں کی تمنا تمؐ ہو

لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِمْ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ ة فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ة

یقیناً تمھارے پاس آیا رسول تمھاری جنس کا، تمھارے انسانوں میں سے آیا تمھیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے۔ تو اس سے ان کو بہت تکلیف ہوتی ہے انکو یہ بات بڑی گراں ہوتی ہے تمھیں خیر پہنچنے کی ان کو بہت زیادہ چاہت ہے۔

علماءِ تفسیر کہتے ہیں کہ یہ دو باتیں تو آپؐ کفار کے بارے میں بھی چاہتے ہیں۔ کفار جو آپؐ کی امت ہیں ان پر بھی کوئی تکلیف آتی ہے تو اس سے بھی آپؐ کو تکلیف ہوتی ہے اور بالمؤمنین رؤف رحیم کو علیحدہ کر کے کہا گیا کہ مومنین کے لیے تو خاص طور سے مہربانی والے ہیں اور بڑی رحمت والے ہیں۔

اے امت والو ایسے رسولؐ سے تم منہ پھیرتے ہو تو اے پیغمبر آپؐ اِن سے کہہ دیں کہ میرے لیے میرا اللہ کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور وہ اتنے بڑے عرش کا مالک ہے۔

لہذا تیری میری، ذاتِ عالی صفات کو ضرورت نہیں ہے اور تمھیں اور مجھے ان کی ضرورت ہے۔

حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ بروزِ قیامت آپؐ کہاں ملیں گے۔ تو فرمایا کہ یا تو میں حوضِ کوثر پر ملوں گا یا پھر اعمال کے ترازو کے پاس ملوں گا اور جب تک امت کی مغفرت نہیں ہوگی تو آپؐ وہاں پریشان کھڑے ہونگے۔

تو اور میں چاہت و محبت نہیں کرتے ہیں ورنہ آپؐ کو تو بہت چاہت اور محبت ہے۔

؎ وہ ذاتِ مقدس خود جو یائے محبت ہے پھر دیکھ تو لے کر کے ان سے کوئی یارانہ

مولانا زکریاؒ نے فضائل درود شریف لکھی ہے، حضرت تھانویؒ نے زادلسعید لکھی، علامہ سخاویؒ نے قول بدیع لکھی ہے، اسکو پڑھیں۔

محمد بن مالکؒ کہتے ہیں میں قاری ابوبکرؒ کے پاس گیا تا کہ وہاں کچھ پڑھوں ان کی مجلس میں ایک بڑے میاں آئے جن کے سر پر بہت ہی پرانا عمامہ تھا ایک پرانا کرتہ اور ایک پرانی سی چادر تھی ابوبکرؒ ان کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے انھیں اپنی جگہ پر بٹھایا، اہل وعیال کی خیریت پوچھی۔ انھوں نے جواب دیا کہ رات میرے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے گھر والوں نے مجھ سے گھی اور شہد کی فرمائش کی۔ شیخ ابوبکر ان کا حال سن کر بہت رنجیدہ ہوئے اسی حال میں ان کی آنکھ لگ گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی آپؐ نے ارشاد فرمایا اتنا رنج

کیوں ہے علی بن عیسیٰ وزیر کے پاس جا اس کو میری طرف سے سلام کہنا اور یہ علامت بتانا کہ تو ہر جمعہ کی رات اس وقت تک نہیں سوتا جب تک مجھ پر ایک ہزار مرتبہ درود نہ پڑھ لے اور اس جمعہ کی رات میں تم نے سات سو مرتبہ پڑھا تھا کہ تیرے پاس بادشاہ کا آدمی بلانے آگیا تو وہاں چلا گیا اور وہاں سے آنے کے بعد تو نے اس مقدار کو پورا کیا۔ یہ علامت بتانے کے بعد اس سے کہنا کہ اس نومولود کے والد کو سو دینار دے دے تا کہ یہ اپنی ضروریات میں خرچ کرے۔ قاضی ابوبکر اٹھے بڑے میاں کو ساتھ لیا وزیر کے پاس پہنچے اور کہا ان بڑے میاں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ وزیر کھڑے ہو گئے اور ان کو اپنی جگہ بٹھایا اور ان سے قصہ پوچھا۔ شیخ ابوبکرؒ نے سارا قصہ سنایا۔ وزیر کو بہت خوشی ہوئی ایک توڑا نکال کر لایا اس میں سے سو دینار بڑے میاں کو دیے سو اور نکالے تا کہ شیخ ابوبکر کو دے لیکن شیخ نے لینے سے انکار کر دیا۔ وزیر نے اصرار کیا کہ ان کو لے لیجئے اس لیے کہ یہ اس بشارت کی وجہ سے ہے جو آپ نے اس واقعہ کے متعلق سنائی۔ اس لیے کہ یہ ایک ہزار درود شریف والا واقعہ ایک راز ہے جس کو میرے اور اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

تو ابھی بھی تجھ پر جو تکلیف آتی ہے اس کو حضور محسوس فرماتے ہیں ان کو دکھ ہوتا ہے۔ ہمارے گاؤں میں ایک لڑکی تھی اس کے گردے فیل ہو گئے تھے اور اس زمانے میں گردے کی صفائی (dialysis) کا انتظام نہ تھا۔ ایک انجکشن ہوتا تھا (lasix) اس کی کافی مقدار (heavy doze) لگائیں تو اس سے گردہ چل پڑتا تھا۔ بہرحال اس لڑکی کو شفا تو نہ ہوئی البتہ اس پر نزع طاری ہو گیا۔ نزع کی حالت میں اس نے ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ ہٹ جائیں ہٹ جائیں کہ حضور ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ اولیاء کے ایک گروہ ہے کہ ان کی وفات کے وقت آپ ﷺ خود تشریف لاتے ہیں۔

بڑی ہی چاہت ہے تیرے لیے اُس طرف سے، تو بھی اگر چاہ لے تو کام بن جائیگا۔ سبحان اللہ تو اس بات غور کریں اور اپنے لیے فیصلہ کریں کہ منزل بہت دور نہیں ہے تیرے اپنے ہاتھ میں ہے تیرے اپنے آگے ہے۔ تیرے اسی قدم کے نیچے ہے جہاں تو کھڑا ہے۔ بس یہیں توبہ تائب ہو جا نیت کر لے۔ یہیں فیصلہ ہو جائیگا آگے لمبا مسئلہ نہیں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

☆☆☆☆☆

تقریر: حضرت حسین احمد مدنیؒ

بیعت کی شرعی حیثیت

الحمد للّٰہ و کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

میرے محترم بھائیو اور بزرگو! مجھ کو حکم کیا گیا ہے کہ میں کچھ بیعت اور سلوک کے متعلق عرض کروں ۔لوگوں کا خیال ہے کہ یہ چیز شریعت کے خلاف ہے اور اس چیز کی تعلیم آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی، اور چونکہ جو لوگ طریقت اور تصوف کے ذمہ دار ہیں ان کی حرکات وسکنات ،ان کے افعال شریعت کے خلاف پائے جاتے ہیں اس واسطے شبہ ہوتا ہے کہ یہ چیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق اور تعلیم کے خلاف ہے۔ واقعہ یہ نہیں ہے بلکہ بیعت نام ہے عہد لینے کا۔

کتاب وسنت سے بیعت کا ثبوت:

کسی شریعت کی بات کے لیے لوگوں سے عہد لیا جائے کہ وہ اس کام کو انجام دیں گے۔ خواہ پوری شریعت کا عہد لیا جائے یا کسی خاص مسئلہ کا عہد لیا جائے اس کو بیعت کہتے ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بہت سے مواقع میں انجام دیا ہے۔

بیعتِ جہاد:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کی لڑائی کے وقت لوگوں سے عہد لیا تھا کہ اگر دشمنوں سے مقابلے کی نوبت آئی تو وہ بھاگیں گے نہیں، بلکہ جب تک زندہ رہیں گے دشمنوں کا مقابلہ کریں گے، اور اگر اس کے اندر موت آجائے تو موت کو اختیار کریں گے۔ اس کو سورۂ فتح میں قرآن شریف میں فرمایا گیا۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا (۴۸۔۱۸)

اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے راضی ہو گیا جبکہ وہ درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے، رسول ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کر رہے تھے۔

کس بات کی بیعت کر رہے تھے؟ حضرت سلمہ ابن اکوع رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ تم نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے کاہے پر بیعت کیا تھا؟ تو وہ کہتے ہیں علی الموت ہم نے بیعت کیا تھا موت پر، موت پر بیعت ہونے کے یہ معنیٰ کہ ہم مرجائیں گے مگر بھاگیں گے نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس میں بشارت دیتا ہے کہ اللہ

تعالیٰ راضی ہوا اور ان کے دلوں کی باتوں پر مطلع ہو کر اس نے اپنی (سکونت کو) سکینت کو اور اطمینان کو ان کے دلوں میں ڈالا اور اس کے بدلے میں فتحمندی عطا فرمائی۔ یہ سورۂ فتح میں لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ کا ذکر کیا گیا۔ اسی طرح سے اللہ تعالیٰ سورۂ فتح ہی میں کہتا ہے،

بیعت کی عظمت:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ط یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ج فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنْكُثُ عَلٰی نَفْسِهٖ ج وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللّٰهَ فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا (۴۸۔۱۰)

اے محمد ﷺ جو لوگ تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں، تمہارے سے عہد کرنا وہ اللہ تعالیٰ سے عہد کرنا ہے۔ جس شخص نے اپنے عہد کو پورا کیا اللہ تعالیٰ اس کو اجر دے گا، ثواب دے گا اور جو عہد کر کے توڑتا ہے وہ اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ تو بیعت جناب رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر کی گئی یہ بیعت تھی جہاد کی، غزوۂ حدیبیہ کی، قرآن شریف میں سورۂ ممتحنہ میں اور دوسری بیعت کرنے کا حکم دیا گیا۔

کبائر سے اجتناب پر بیعت:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَکَ عَلٰۤی اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْـًٔا وَّلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا یَعْصِیْنَکَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ط (۶۰۔۱۲)

اے پیغمبر ﷺ جبکہ عورتیں تمہارے پاس آئیں اور وہ عہد کریں، بیعت کریں اس بات پر کہ شرک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی اپنے بچوں کو قتل نہ کریں گی (زمانہ جاہلیت میں عادت تھی کہ اپنے بچوں کو مرد اور عورت ماں اور باپ قتل کر دیتے تھے اس وجہ سے کہ اس بچے کے پالنے میں خرچ بہت کچھ پڑے گا۔ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ، فاقہ کی وجہ سے) اور اسی طرح کسی پر بہتان نہ باندھیں گی، حضرت محمد ﷺ کے حکم کو پورے طرح سے انجام دیں گی، نافرمانی نہیں کریں گی، تو حضرت محمد ﷺ کو حکم ہے کہ فَبَایِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ (کہ آپ بیعت کیجئے اور ان کے لئے استغفار کیجئے) تو یہ بیعت اللہ تعالیٰ کے حکم سے جاری ہوئی، جناب رسول ﷺ کی ہجرت سے پہلے جبکہ مکہ معظّمہ میں انصار کے بارہ سردار جمع ہوئے اور ان کو دین کی طرف تعلیم دی تو حضرت عبادہ بن صامتؓ جو انہیں سرداروں میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ہم کو حکم دیا کہ:

مختلف احکامِ شریعت پر بیعت کا حکم:

بایعونی علیٰ ان لا تشرکوا باللّٰہ شیئا وّ لا تسرقوا و لاتزنوا

مجھ سے بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے اور چوری نہیں کرو گے اور زنا نہیں کرو گے (واضح رہے کہ یہ بیعت اسلام کی نہیں بلکہ اسلام لا چکنے کے بعد کی ہے) مختلف چیزیں اسلام کی تعلیم فرمائیں، اور رسول ﷺ کی مدد کرنے کی، رسول ﷺ کی حفاظت کرنے کی مختلف چیزیں عہد میں لیں، اور فرمایا کہ اگر تم سے کوئی شخص ان باتوں پر وفاداری کے ساتھ قائم رہا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں جگہ دے گا، اس کی مغفرت کریگا اور اگر کوئی شخص خلاف کرے گا اور دنیا میں اس کو سزا ملی تو آخرت کی سزا اُس پر سے اٹھ جائے گی اور اگر اُس نے نافرمانی کی اور دنیا میں سزا نہیں دی گئی تو اللہ تعالیٰ چاہے تو سزا دے چاہے معاف کرے۔

تو اس قسم کے بہت سے واقعات میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض خاص باتوں پر بیعت لی ہے۔ اور کبھی کبھی عام باتوں پر اور پوری شریعت پر بیعت لی ہے۔ بیعت کی تعلیم قرآن شریف میں اور احادیث میں بہت تفصیل کے ساتھ ذکر کی گئی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اصحاب سے اسی پر بیعت لی تھی کہ وہ کسی سے کوئی چیز مانگیں گے نہیں، سوال نہیں کریں گے۔ تو ان صحابہ کی عادت تھی کہ اگر گھوڑے پر سوار ہوئے کوڑا اگر گیا تو کوڑا بھی کسی دوسرے سے نہیں اٹھواتے تھے بلکہ گھوڑے سے اتر کر اپنے کوڑے کو خود اٹھاتے تھے۔ حضرت جریر بن عبد اللہ البجلی فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر بیعت لی کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کریں گے، تو ہمیشہ ہر چیز میں جس مسلمان کو ضرورت سمجھتے تھے خیر کی نصیحت کرتے تھے۔

تو بیعت کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ قرآن و احادیث میں بہت سے واقعات کو ذکر کیا گیا ہے۔ بیعت اُسی وقت سے جاری ہے۔ اب اِسی بیعت ہی میں سے یہ طریقت کی بیعت ہے جو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے آج تک چلی آتی ہے۔ اس بات پر بیعت کرنا کہ شریعت پر مضبوطی سے چلیں گے اور جن چیزوں سے شریعت نے منع کیا ہے ان سے بچیں گے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اطاعت میں پوری توجہ سے کام لیں گے، اسی کو بیعتِ طریقت کہا جاتا ہے۔ جو کہ اس زمانہ سے برابر چلی آتی ہے۔ بیعت کے طریقے تمام زمانوں میں جاری رہے ہیں اور اللہ کے خاص خاص بندوں نے مسلمانوں سے عہد لیے ہیں، یہ جو پیری مریدی کی جاتی ہے یہ حقیقت میں وہی بیعت کا طریقہ ہے۔

بیعت لینے کا مستحق:

بیعت کرنا ہر ایک شخص کا حق نہیں ہے۔ جو شخص شریعت کا پابند ہو، بدعات سے اور فسق و فجور سے بچتا ہو اور اس نے کسی ولی اور مرشد کے پاس رہ کر کے نسبت باطنی حاصل کی ہو، فقر و فاقہ کو اختیار کیا ہو، اس کے ہاتھ پر زمانہ سابق میں بیعت کی جاتی تھی اور وہی مستحق ہے بیعت لینے کا۔ اس سلسلے میں تمام صحابہؓ میں خاص خاص لوگ بیعت لیتے تھے، خلفائے راشدین اور خصوصاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ سلسلہ زیادہ چلا ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور پھر ان کے خلفاء برابر یہ بیعت لیتے رہے۔

شیخ یا پیر کا مطلب:

جو لوگ بیعت لیتے تھے ان کو پیر کہا گیا، پیر کے معنی لغت میں بڑھے کے ہیں۔ عربی میں اس کو شیخ کہتے ہیں۔ چونکہ معمر آدمی نے زیادہ دنوں تک خداوند کریم کی اطاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں وقت گذارا ہوتا ہے، وہ ہی اس امر کا مستحق ہوتا ہے کہ دوسروں سے عہد لے۔ تو اس واسطے اس کو عربی میں شیخ اور فارسی میں پیر کہا گیا۔ وہ شخص تجربہ کار ہوتا ہے، وہ شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری میں عمر گذارے ہوئے ہوتا ہے اس لیے اس کو پیر کہا جاتا تھا، پیر کوئی خاص آدمی کا نام نہیں ہے کسی خاص نسب کا نام نہیں ہے، بلکہ جو شخص شریعت کا پابند ہو اور عرصہ دراز تک اس نے ریاضتیں کی ہوں، ذکر کیا ہو، اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کیا ہو اور وہ دنیا پر ریجھنے والا نہ ہو، اس قدر عبادت کی ہو کہ اس کے اندر اللہ تعالیٰ سے پوری نسبت پیدا ہوگئی ہو، اسی سے وہ شریعت پر بیعت لینے کا مستحق ہے، وہی پیر اور شیخ ہوتا تھا۔

سچّے اور جھوٹے پیر:

مگر عرصہ دراز گذر جانے کے بعد جس طرح ہر جماعت میں کھوٹے اور کھرے ہوتے ہیں، علم ظاہر میں اور دوسری جماعتوں میں بھی کھوٹے اور کھرے پائے جاتے ہیں اسی طرح سے طریقت کے اندر بھی کھوٹے اور کھرے پائے جاتے ہیں۔ جو شخص شریعت پر نہ چلتا ہو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا تابعدار نہ ہو وہ شخص بیعت لینے کا، پیر بننے کا کسی طرح حقدار نہیں، قرآن شریف میں فرمایا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ

اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

تو پیر بنایا جاتا ہے سچا، جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی سچا ہو اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ بھی سچا

ہو، جس کے اندر دغل، فسل، مکر، حیلہ وغیرہ نہ پایا جاتا ہو، اللہ تعالیٰ کی سچی تابعداری کرتا ہو، اس کے متعلق کہا گیا **کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ** ان کے ساتھ رہو، قرآن شریف میں فرمایا گیا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔

اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو، ڈرو اللہ تعالیٰ سے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو،

وہ شخص جو تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا، اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کا، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو حاصل کرنے کا ذریعے ہو اِسی کو مرشد کہتے ہیں۔

وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ کی تفسیر میں میں محققین کی رائے یہی ہے کہ مرشد مراد ہے، جس کو پہلی آیت میں کہا گیا **کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ** پہلے ایمان ذکر کیا گیا تو اس کے بعد تقویٰ ذکر کیا گیا ان دونوں کے بعد اس جگہ وسیلہ یعنی مرشد کا تلاش کرنا اور اس کے حکم پر چلنا، یہ تیسرا حکم **وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ** کا ذکر کیا گیا۔

ریاضت واشغالِ تصوف کا ثبوت:

وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ چوتھا حکم ذکر کیا گیا کہ اللہ کے راستے میں کوشش کرو، جہاد کرو، نفس کے خلاف کرو، اپنی راحت کے خلاف کرو، تو یقیناً **وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ** ایمان اور تقویٰ کے بعد کوئی زائد چیز ہے، اسی کو مرشد کا تلاش کرنا اور اس کے حکم پر چلنا اور پھر اللہ کے راضی کرنے کیلئے ہر قسم کی جدّ و جہد کرنا اس آیت میں ذکر کیا گیا۔ تو یہ جو طریقت کے، تصوف کے احکام ہیں کوئی نئی چیز نہیں، بلکہ پرانی ہے اور اسی زمانے سے چلی آتی ہے **جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ** فرمایا گیا، جہاد کہتے ہیں زیادہ کوشش کرنا، جدوجہد کرنے کا نام ہے، آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث میں ذکر کیا ہے۔

حدیث جبریلؑ (سلوک واحسان):

صحابۂ کرامؓ کہتے ہیں کہ ایک روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے، ایک شخص آیا جس کو ہم میں سے کوئی پہچانتا نہ تھا، اس کے کپڑے نہایت سفید اور صاف وشفاف تھے مگر ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا نہ تھا، وہ آ کر کے جناب رسول اللہ ﷺ کے سامنے قریب گھٹنے سے گھٹنا ملا کر بیٹھ گیا، ہم نے تعجب کیا، کیونکہ اگر وہ باہر سے آیا ہوتا تو اس کے کپڑے میلے ہوتے، گرد وغبار سے اس کے بال بھرے ہوئے ہوتے، کپڑوں میں میل کچیل ہوتا، اس کے بال نہایت صاف اور سیاہ تھے اور کپڑے بھی سفید تھے، ہم تعجب کرتے تھے، اُس نے جناب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ حضورؐ ایمان کس کو کہتے ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے

ایمان کی تعریف بتلائی: اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰہِ وَ مَلٰٓئِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ تُؤْمِنُ بِالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ

آپؐ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تو یقین کرے اللہ پر، اُس کے رسول پر، اس کے فرشتوں پر، اس کے رسولوں پر، کتابوں پر، اور قیامت کے دن پر، اور تقدیر پر، اس کے بعد اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ

اسلام کیا ہے:

مالاسلام؟ اسلام کس چیز کا نام ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ:۔

اَنْ تَشْھَدَ اَنْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًارَّسُوْلُ اللّٰہِ وَ تُقِیْمَ الصَّلٰوۃَ وَتُؤْتِی الزَّکٰوۃَ وَ تَصُوْمُ رَمَضَانَ وَتَحجُّ الْبَیْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَیْہِ سَبِیْلاً

اسلام اس کا نام ہے کہ گواہی دو اور کہو اَشْھَدَ اَنْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًارَّسُوْلُ اللّٰہِ (ﷺ) اور نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو، رمضان کا روزہ رکھو، اور خانہ کعبہ کا، بیت اللہ کا حج کرو، اگر تمہارے پاس وہاں پہنچنے کی طاقت ہے، اس کے بعد اس نے کہا:

احسان کیا چیز ہے:

یا رسول اللہ ﷺ مَا الْاِحْسَانُ. احسان کیا چیز ہے۔قرآن میں بہت سی جگہوں میں احسان کا ذکر کیا گیا ہے۔قرآن میں فرمایا گیا: اِنَّ رَحْمَۃَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنِ اللہ تعالیٰ کی رحمت احسان کرنے والوں سے بہت قریب ہے۔اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِیْنَ ھُمْ مُحْسِنُوْنَ (اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو کہ پرہیز کرتے ہیں اور جو احسان عمل میں لاتے ہیں۔)

وَ یَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْابِالْحُسْنٰی

جن لوگوں نے احسان کیا اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بھلائی کرے گا۔

ھَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَان

اس طرح سے بہت سی آیتوں میں احسان کی بڑی تعریف کی گئی ہے اور بڑے وعدے کئے گئے ہیں۔

تو اب وہی پوچھتا ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ مَا الْاِحْسَانُ احسان کس چیز کا نام ہے؟ تو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ

احسان: اس چیز کا نام ہے کہ تم خدا کی عبادت ایسی طرح سے مکمل کرو، اس طرح سے اس کے اندر خشوع اور

خضوع کو انجام دو(کہ جیسے) گویا کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو۔ مزدور، نوکر، غلام جب اپنے آقا اور مالک کو دیکھتا ہے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا، اور جب کوئی کام کرتا ہے اور آقا اس کے سامنے نہیں ہوتا تو نہایت بے توجہی سے کرتا رہتا ہے۔

تو احسان کی تعریف آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ فرماتے ہیں کہ ہر عبادت میں اس طرح سے تکمیل کرو، اس قدر خشوع اور خضوع کا لحاظ کرو جیسے کہ تم اپنے آقا اور مالک کو دیکھنے کے وقت میں ادا کرتے ہو۔ یہ احسان ہے۔ اور اگر تم کو یہ شبہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کو تو ہم نہیں دیکھتے یہ کیسے ہوسکتا ہے! تو اس کو فرمایا گیا، **فَاِنَّهٗ یَرَاکَ** تم اگرچہ نہیں دیکھتے ہو مگر اللہ تعالیٰ تو ہر حالت میں تم کو دیکھتا ہے۔ تو اپنے مالک کی موجودگی میں جو غلام، جو نوکر، جو مزدور، کام کی تکمیل کرتا ہے، تو وہ اسی وجہ سے کرتا ہے کہ آقا دیکھ رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تو ہر حالت میں تم کو دیکھتا ہے کسی وقت میں بھی تم خدا کے علم سے اور اس کے دیکھنے سے اوجھل نہیں ہوسکتے۔

احسان کی فضیلت:

تو بہر حال یہ احسان بڑا اعلیٰ مرتبہ ہے، اسی کو تیسرے سوال میں حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، اس احسان کو قرآن میں جیسا میں نے چند آیتیں عرض کیں، بڑی تعریف کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ **لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا الْحُسْنٰی وَزِیَادَةٌ** (جن لوگوں نے احسان کو انجام دیا ان کو (میں) اللہ تعالیٰ نہایت عمدہ ثواب دے گا اور زیادتی دے گا۔)

اسی احسان کے حاصل کرنے پر تمام تصوف کا مدار ہے، آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ السلام کے زمانہ میں یہ احسان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایمان کے ساتھ حاضر ہونے سے حاصل ہو جاتا تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی طاقت اس قدر قوی تھی کہ جو شخص آپؐ کے سامنے اخلاص کے ساتھ، اسلام کے ساتھ حاضر ہوا، اس کے قلب پر ایسا اثر پڑتا تھا کہ ماسوا اللہ (اللہ کے سوا جو چیزیں بھی ہیں)، سب کو بھول جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔

حضرت حنظلہؓ کا واقعہ:

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کئی روز حاضر نہیں ہوئے ، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ اپنے لوگوں کو خاص طور پر یاد رکھتے تھے، ایک وقت نہیں آئے دو وقت نہیں آئے تو آپؐ نے پوچھا کہ **مافعل حنظلہ** حنظلہ کا کیا حال ہے؟ لوگوں کو کچھ معلوم نہیں، حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ابھی خبر لاتا ہوں ، گئے ، گھر میں پوچھا گھر والوں سے کہ حنظلہؓ کہاں ہیں؟ بیوی نے جواب دیا کہ وہ کوٹھڑی میں بیٹھے ہوئے ہیں، انہوں نے پوچھا کہ خیریت سے تو ہیں، کہا خیریت سے تو ہیں مگر سر جھکائے بیٹھے ہیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ اجازت لیکر گھر میں داخل ہوئے ، جا کر دیکھا کہ حضرت حنظلہؓ سر جھکائے ہوئے بیٹھے ہیں اور رو رہے ہیں تو انہوں نے جا کر کے پوچھا کہ بھائی کیا حال ہے؟ تو انہوں نے بتلایا کہ **نافق حنظلۃ** (حنظلہ تو منافق ہوگیا۔) (حاضری اور غیبت میں حالت اور کیفیت کے بدل جانے کو حضرت حنظلہؓ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما نے کمال حب ایمانی کی وجہ سے اپنے پر نفاق کا شبہ کیا۔

ع عشق است و ہزار بدگمانی اور اپنے شبہ کو بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کر کے اطمینان حاصل کیا۔)

حضوری اور غَیبَت میں فرق:

کہا کیا بات ہے کیسے منافق ہوگئے؟ کہا کہ ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخرت کا، جنت کا، دوزخ کا، قیامت کا ذکر کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری آنکھوں کے سامنے جنت موجود ہے، دوزخ موجود ہے، آخرت کی چیزیں موجود ہیں، ہمارا دل اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے، وہاں سے جب گھر میں آتے ہیں تو بال بچوں سے، بیوی سے، ان لوگوں سے میل جول ہو تو وہ حالت جاتی رہتی ہے، یہ تو نفاق ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ یہ حالت تو میری بھی ہے وہ بھی رونے لگے، تھوڑی دیر تک دونوں روتے رہے، اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ ہمارے لیے تمام باتوں کا حل کرنے والے ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، چلو یہاں بیٹھنے سے کچھ نہیں ہوتا، رونے دھونے سے کچھ نہیں ہوتا، چلو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی حالت عرض کریں۔ ان کی سمجھ میں آئی ، دونوں حاضر ہوئے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تمام بات عرض کی، آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ السلام فرماتے ہیں کہ تم جیسے کہ میری حضوری میں ہوتے ہو، میری مجلس میں ہوتے ہو، اگر اسی طرح تم ہر وقت میں رہو تو تمہارے بستروں پر فرشتے آ کر تم سے مصافحہ کیا کریں۔ دونوں حالتیں علیٰحدہ علیٰحدہ ہیں، میری موجودگی میں، میری مجلس میں، تمہاری اور حالت ہے اور مجھ سے جدا ہونے کے بعد تمہاری اور حالت ہے، جیسے سورج کے سامنے جو چیز آئے گی وہ چمکدار ہو جائے گی، اس پر روشنی پڑ جائے

گی، اس پر دھوپ اور نور آجائے گا، اور جہاں علیحدہ ہوئے تو وہ روشنی جاتی رہی، آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ السلام کی مجلس میں جو بھی سچائی کے ساتھ آنے والے تھے، انکے دلوں کی میل کچیل، غفلت، دنیا پرستی، نفس پرستی جاتی رہتی تھی، جہاں مجلس سے علیحدہ ہوئے تو اس میں کمی ہو جاتی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چار بڑے کام:

مگر آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **یَتْلُوْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَ یُزَکِّیْھِمْ** چار بڑے بڑے کام آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام انجام دیا کرتے تھے، اس امر کو (تین یا) چار جگہ قرآن شریف میں ذکر کیا گیا ہے۔ ایک تو یہ کہ قرآن کی آیتیں جو اترتی ہیں وہ سناتے رہتے ہیں، اور دوسرے **یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰب** اللہ تعالیٰ کے کلام کو سکھلاتے ہیں، معانی بتلاتے ہیں، اور تیسرے **وَالْحِکْمَۃَ** حکمت کی باتیں بتلاتے ہیں، جیسے یہ حکم کیوں ہوا؟ اس حکم میں کیا مصلحت ہے؟ اس حکم سے کیا کیا نتیجے پیدا ہوں گے؟ یہ حکمت کی باتیں آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام سکھلاتے تھے، **وَ یُزَکِّیْھِمْ** چوتھا کام یہ تھا کہ انکے دلوں کی میل کچیل کو دور کرتے تھے، تزکیہ کرتے تھے، پاک اور صاف کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا اثر:

دلوں پر، روح پر، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اور قلبی طاقت کا اثر ایسا پڑتا تھا کہ دلوں کی میل کچیل، غیر اللہ کی محبت، دنیا کی محبت اور ہر قسم کی برائی جاتی رہتی تھی۔ کسی کو کم کسی کو زیادہ، مگر آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کا یہ اثر تھا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدنیہ منورہ میں داخل ہوئے تو ہر چیز ہم کو روشن نظر آتی تھی، یہاں تک معلوم ہوتا تھا کہ دیواریں بھی روشن ہو گئیں اور جب تک آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام رہے، یہی روشنی ہر چیز میں معلوم ہوتی تھی۔ اور فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کرنے کے بعد ہم نے ابھی تک مٹی اپنے ہاتھوں سے جھاڑی نہیں تھی کہ ہم نے اپنے دلوں کو اوپرا دیکھا۔ (اس حدیث میں دلوں کو اوپرا دیکھنے کی وضاحت میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ لکھتے ہیں کہ فیض صحبت اور مشاہدہ ذات کے انوار جو ہر وقت مشاہدہ ہوتے تھے وہ حاصل نہ رہے تھے۔ چنانچہ اب بھی مشائخ کے ہاں کی حاضری اور غیبت میں انوار کا بین فرق محسوس ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان انوار کے حاصل کرنے کے لیے اب مجاہدات، ذکر کی کثرت اور مراقبہ کا اہتمام کرایا

جاتا ہے، جبکہ اس وقت کسی چیز کی ضرورت نہ تھی۔)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حصول احسان کا طریقہ:

آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام تو ایک روحانیت کا آفتاب تھے، جو بھی آپ کی مجلس میں حاضر ہوا اس کے دل کی حالت اور ہوگئی۔ اس وجہ سے تمام اہلِ سنت والجماعت کا متفقہ مسئلہ ہے کہ صحابی چاہے آپ کی خدمت میں چند منٹ ہی رہا ہو، جو بھی اسلام کے ساتھ آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوا وہ بعد کے آنے والے بڑے سے بڑے ولی سے، بڑے سے بڑے متقی سے، بڑے سے بڑے پرہیزگار سے افضل اور اعلیٰ ہے، کوئی بعد کا آنے والا ولی، صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا، متفق علیہ مسئلہ ہے، کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی طاقت بجلی سے بھی زیادہ قوت رکھنے والی تھی، دلوں کو، دماغ کو روشن کرنے والی تھی۔ اس واسطے اس وقت میں بڑی بڑی ریاضتوں کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، بس ضرورت اس بات کی تھی کہ آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں اخلاص کے ساتھ حاضر ہوا جائے، مگر جیسا کہ حضرت انس ؓ نے فرمایا ہے کہ آپ ؐ کی جدائی کے بعد وہ طاقت باقی نہ رہی اگرچہ زمانہ ہے صحابہ کرام ؓ کا اور ان لوگوں نے روحانی روشنی آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حاصل کی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد حصولِ احسان کا طریقہ:

مگر آپ ؐ کے اوجھل ہو جانے کی وجہ سے انکی قوتوں سے کمی ہوتی گئی اسی طرح جتنا بھی زمانہ دور ہوتا گیا اسی قدر روحانی اور قلبی روشنی کے اندر، صفائی کے اندر کمی ہوتی گئی۔ تو جس طرح سے برتن کے صاف کرنے میں اگر اس کے اوپر میل کچیل کچھ کم ہو تو معمولی طور سے مانجنے سے وہ زنگ دور ہوتا ہے اور زیادہ ہو تو پھر ریتے سے مانجنے سے اور مختلف طریقوں سے مانجھا جاتا ہے تب جا کر کے صاف ہوتا ہے، تو وہی احسان حاصل کرنا تصوف کا مقصد ہے۔

تصوف کا مقصد:

تصوف سے کوئی نئی چیز حاصل کرنا مقصد نہیں ہے، جس چیز کو حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث میں ذکر کیا گیا ہے وہی مقصد ہے مگر زمانے کے دور ہونے کی وجہ سے، دنیاوی لذائذ کی طرف طبیعتوں کے مائل ہونے کی وجہ سے زیادہ مانجنے کی ضرورت پڑی۔ اس واسطے جو تصوف میں بڑے تجربہ کار تھے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ،

حضرت شبلیؒ اور سری سقطیؒ جو بڑے بڑے امام ہیں تصوف کے، ان لوگوں نے اپنے تجربہ سے ذکر کرنے میں، ریاضت کرنے میں، مجاہدہ کرنے میں، جو چیزیں نکالیں، ان کو بعضے لوگ اعتراض کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ جو ذکر کے اصول نقشبندیہ طریقہ میں، قادریہ طریقہ میں اور دوسرے طریقوں میں بیان کئے گئے ہیں، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ بارہ تسبیح، نہ پاس انفاس، نہ ذکرِ "اللہ" نہ اور کسی قسم کے جتنے اذکار اور مراقبے ان طریقوں میں تعلیم کئے جاتے ہیں،، یہ تو اس میں آتے نہیں کسی حدیث مین انکا تذکرہ نہیں ہے، تو یہ بدعت ہوئی، یہ شبہ لوگوں کو پڑتا ہے اور اس پر لوگ اعتراض کرتے ہیں مگر یہ چیز غلط ہے۔

زمانے کے بدلنے سے مقصود حاصل کرنے کیلئے وسائل کا بدلنا بدعت نہیں ہے

آلاتِ جہاد کی مثال:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جہاد کے لیے تلواروں کا، تیر اور کمان کا، نیزوں کا تذکرہ آتا ہے۔ آپؐ کے زمانے میں بندوقوں کا، توپوں کا، مشین گنوں کا، ہوائی جہازوں کا، گرنیڈوں کا، سرنگوں کا، بم کا اور آتشیں بم کا، ان چیزوں کا کوئی تذکرہ نہیں۔ آج اگر مسلمانوں کو شرعی جہاد کرنے کی نوبت آئے اور آتی رہی ہے تو کیا آج آپ یہی کہیں گے کہ فقط تلوار سے جنگ کرنی چاہیے، جہاد فقط تلوار سے، فقط نیزے سے، فقط اس تیر اور کمان سے جو آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں تھا اسی سے مقابلہ کرنا چاہیے۔ اگر ایسا کرو گے تو دشمن اپنی مشین گنوں سے اور توپوں سے دور ہی سے ہم کو فنا کردے گا۔ جیسے وہ ہتھیار مہیا کرتا ہے ہم کو بھی ویسے ہی ہتھیار مقابلہ کرنے کے واسطے تیار کرنے چاہئیں۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ جو تم سے قوت ہو سکے دشمنوں کے مقابلہ کے واسطے تیار کرو تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ تو مقصود یہ ہے کہ اصلی مقصود جہاد سے اعلائے کلمۃ اللہ ہے دین کے کلمہ کو بلند کرنا وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ...... تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ تو جیسی ضرورت پڑے

جس سے تم دشمن کو شکست دے سکو اس کو ہتھیار کے طور پر تیار کرو اور مقابلہ کرو۔ تو اسی طرح سے جس زمانہ میں آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام موجود تھے آپ کا زمانہ قریب تھا اس وقت میں تھوڑا ذکر کرنا، تھوڑی ریاضت کرنی کافی ہوتی تھی۔ جب ہم دور پہنچ گئے تو زیادہ تر دل زنگ آلودہ ہو گئے، اس واسطے بڑی بڑی ریاضتیں،

چلہ کھینچنا، دن رات ذکر کرنا، پاسِ انفاس کرنا، ذکر قلبی کرنا اور زیادہ اس میں کوشش کرنا ضروری ہوگیا، مقصود ایک ہی ہے مگر ضرورت کی حیثیت سے ماحول کی حیثیت سے صفائی اور احسان کے حاصل کرنے میں طریقہ دوسرا ہے۔

قرآن پر حرکات کی مثال:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلمکے زمانے میں قرآن شریف پر زیر زبر نہیں لگا ہوا تھا، آپؐ نے علیحدہ علیحدہ لکھوایا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سب کو جمع کر دیا، حضرت عثمانؓ نے سب کو ترتیب دے دیا مگر ترتیب دینے کے بعد زیر زبر کوئی نہیں لگا ہوا تھا، وہ صحابہ کرامؓ جنکی عربی زبان تھی بغیر زیر زبر کے صحیح قرآن پڑھتے تھے، جیسے ہم آج اردو کی عبادت بغیر زیر زبر کے دیئے ہوئے صفحوں کے صفحے صحیح پڑھ جاتے ہیں اور کوئی غلطی نہیں ہوتی مگر آج اگر کسی بنگالی سے، اور برمی سے، انڈونیشیا والے سے یہ کہا جائے کہ اردو کی عبارت صحیح طرح پر پڑھو تو وہ ادا نہیں کر سکتا، اسلیے کہ وہ ناواقف ہے، تو اسی طرح سے آج ہم اگر قرآن میں زیر زبر نہ لگا ہو، اگر نقطے نہ لگے ہوں تو ہم بغیر اس کے پڑھ نہیں سکتے، صحیح نہ پڑھ سکیں گے، تو حضرت عثمانؓ نے قرآن جمع کیا اس میں نہ زیر ہے، نہ زبر ہے، نہ پیش ہے، نہ جزم ہے، نہ بَ کے نیچے ایک نقطہ ہے، نہ یے کے نیچے دو نقطے ہیں، نہ ت کے اوپر دو نقطے ہیں، یہ کچھ بھی نہیں ہے، اور وہ سب صحیح پڑھتے تھے، مگر تھوڑے ہی زمانے کے بعد جب لوگوں کا میل جول باہر والوں کے ساتھ ہوا تو ضرورت سمجھی گئی زیر زبر لگانے کی، تشدید کے لگانے کی، جزم کے لگانے کی، نقطے کے دینے کی، اب اگر کوئی بیوقوف یہ کہے کہ زیر زبر لگانا بدعت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں پایا گیا تو اس کو بجز اس کے کیا کہا جائے کہ احمق ہے اور کچھ نہیں، وہ تو اس ضرورت کی بناء پر ہے کہ ہم کو حکم ہے قرآن کی تلاوت کرنے کا اس کے معنی سمجھنے کا، مگر اس زمانے میں تلاوت قرآن کی بغیر زیر زبر کے ہوتی تھی، آج ہم تو ہم مدنیہ کا رہنے والا، مکے کا رہنے والا جس کی مادری زبان عربی ہے صحیح قرآن بغیر زیر زبر کے، بغیر نقطوں کے نہیں پڑھ سکتا ہے، جس طرح ہم علمِ نحو کے، علمِ صرف کے، علمِ لغت کے محتاج ہیں، آج عرب بھی اسکے محتاج ہیں۔ تو بھائی زمانہ کی حیثیت سے احوال بدلتے رہتے ہیں مگر ایسے احوال جو کہ مقصود کے بدلنے والے نہ ہوں ایسے احوال کو سنت ہی کہا جائے گا۔

(باقی آئندہ)

☆☆☆☆☆

ماخوذ از مکتوبات صدی

غلط گاہِ سالک کے بیان میں

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

برادرم شمس الدین! تمھیں معلوم ہو کہ صوفیوں میں ایک جماعت ایسی بھی ہے کہ ریاضتِ شاقہ کر چکی ہے اور خواہشاتِ نفسانی سے کوسوں دور ہے۔ ایک مدت دراز تک خلوت نشینی اسکا کام رہا ہے، دل کا یہ حال ہو گیا ہے کہ اسم ذات اللہ اللہ کے سوا کسی طرف رخ نہیں کرتا۔ نگہبانیِ دل میں، اس قدر بلیغ کوشش کی ہے کہ سوائے ذکرِ خداوندِ عزوجل کے کوئی خطرہ دل پر نہیں گزرنے پاتا۔ اس جماعت کے لوگوں پر کشفِ احوال ہوا کرتے ہیں اور اسرارِ ملکوت کھلتے رہتے ہیں، عِلّو مقام کا یہ حال ہوتا ہے کہ اصحابِ کرامت میں داخل ہیں۔ غیب کی خبر دیا کرتے ہیں اور وہ راست ہوا کرتی ہے۔ بیمار سے بیمار کی طرف توجہ کرتے ہیں تو اس کو شفا ہو جاتی ہے۔ دشمن کی طرف اگر ہمت باندھتے ہیں تو وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ ان حالتوں کو دیکھ کر ابلیس کو رشک وحسد پیدا ہوتا ہے اور وہ اس فکر میں لگ جاتا ہے کہ جس طرح ممکن ہو حضرت سلامت کو اپنے دامِ تزویر میں لاکر شیطانِ مجسم بنا چھوڑیں، چنانچہ ان پر اسرارِ شریعت کو ظاہر کرنا شروع کرتا ہے۔ سوائے ایک راز کے کل راز کو کھول دیتا ہے۔ وہ ایک ایسا راز ہے کہ خود اس لعین پر بھی پوشیدہ رہا اور اسی سبب سے کمبخت نے آدم صلوٰۃ اللہ علیہ کو سجدہ نہ کیا۔ وہ ایک پٹی تو یہ پڑھاتا ہے کہ مقصود ترکِ معصیت سے یہی ہے کہ خواہشاتِ نفسانی دور ہو جائیں اور صفاتِ بشریت مغلوب ہو کر رہے تا کہ سالک کو خدا سے تقرب حاصل ہو۔ دوسرا فقرہ اسکا یہ چلتا ہوا ہوتا ہے کہ مقصود ریاضت سے یہ ہے کہ ذکرِ حق دل پر غالب ہو جائے اور ذکرِ خداوند تعالیٰ سے دل میں ایسی جلا پیدا ہو کہ ساری ظلماتِ بشریت دور ہو جائیں تا کہ حقیقتِ معرفت سالک کو حاصل ہو۔ اور غرض شریعت ورزی سے یہی ہے کہ کعبۂ وصال تک پہنچیں۔ جب وہاں رسائی ہو گئی تو زاد و رحلہ کی کیا حاجت باقی رہی۔ ان توہمات کے بعد اس قوم کو یہ خلل دماغ پیدا ہو جاتا ہے کہ نماز ادا کرنے کو حجاب سمجھنے لگتی ہے۔ خیال یہ ہوتا ہے کہ ہم تو خود ہر وقت مشاہدے میں ہیں، مقصود نماز، رکوع وسجود سے تو دل کی غفلت دور ہونا، حضورِ دل پیدا ہوتا ہے، جب ایک ساعت بھی غفلت نہیں ہوتی اور عالمِ ملکوت پیشِ نظر ہے ارواحِ انبیاء بہترین صورت میں دکھائی جارہی ہیں اب ہم کو ان بیگاریوں کی کیا حاجت باقی رہی۔ معاذ اللہ یہی بعینہٖ ابلیس کا واقعہ ہے کمالِ قرب میں وہ ایسا بھولا کہ سجدۂ آدم کی اس نے پروانہ کی اور آدم علیہ السلام کو اپنے سے حقیر سمجھا۔ اس سجدے کو بے سود سمجھ کر باز رہا۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ قرآن شریف میں قصۂ ابلیس محض افسانہ کے طور پر بیان ہوا

ہے! نہیں ہرگز نہیں بلکہ ایسی ہی قوم کی تنبیہ کے لیے ذکر کیا گیا ہے تاکہ یہ لوگ جان لیں کہ مقرب سے مقرب بھی ہو تو وہ فرمانبرداری میں تقصیر نہ کرے۔اور بزرگوں کا جو یہ خیال ہے کہ شریعت کی راہ میں چلنا بھی عین حق طلبی ہے، بالکل بجا و درست ہے۔اب سنو اصلی راز جو ابلیس نے اس قوم پر ظاہر نہ کیا اور خود بھی غافل رہا، وہ کیا ہے یہ ہے کہ نماز وغیرہ سے غرض صرف صفاتِ بشریت کا دور ہونا اور تقربِ خدا حاصل ہونا نہیں ہے۔ بلکہ دوسرا مقصود یہ بھی ہے کہ پانچ وقت کی نمازیں گویا دریچۂ کمال کے لیے پانچ ستون ہیں اگر ان کا سہارا نہ ہوگا تو سالک اس مقام سے گر جائے گا۔ممکن ہے کہ یہاں پر یہ شبہ واقع ہو کہ آخر نماز کے ستون ہونے کا سبب کیا ہے اور کس مناسبت سے نماز کو ستون کہا گیا ہے۔ جواب اسکا بزرگوں نے یہ دیا ہے کہ اسکی وجہ کا انکشاف قوتِ بشری سے باہر ہے۔ یوں سمجھو کہ یہ از قسمِ خاصیت ہے، عقل اسکی دریافت سے عاجز و قاصر ہے مثلاً مقناطیس کو دیکھو لوہے کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے کسی کو اسکی خبر نہیں، کہ ایسا کیوں ہے۔علاوہ ازیں بزرگوں نے اس قوم کیلیے ایک بہت ہی واضح مثال دی ہے، وہ یہ ہے کہ ایک شخص نے پہاڑ پر چھوٹا سا مکان بنا لیا تھا اور طرح طرح کی نعمت اس میں لاکر اس نے رکھ دی تھی۔ جب اس کا آخر وقت ہوا صاحبزادے صاحب کو اس نے وصیت کی کہ اے فرزند میرے بعد جس قسم کا تغیر و تبدل اس مکان میں تم کرنا چاہو تمھیں ہم اجازت دیتے ہیں مگر وہ کئی مٹھے جو خوشبودار گھاس کے ہیں اگر وہ سوکھ بھی جائیں تو انھیں اس مکان سے باہر نہ پھینک دینا۔خدا کی شان وہ غریب چل بسا برخوردار سلمہٗ اس مکان میں رہنے لگے، فصلِ بہار کی آمد آمد ہوئی پہاڑ کا پہاڑ جنگل کا جنگل ہرا بھرا ہو گیا انواع و اقسام کے خوش رنگ و خوشبودار پودے نکل آئے۔صاحبزادے عمر دراز نے سوچا کہ ابا جان نے غالبًا ان گھاس کے مٹھوں کو اسلیے یہاں رکھ چھوڑا تھا کہ مکان میں خوشبو رہے، اب اس خشک گھاس کی کیا ضرورت باقی رہی، جہاں ایسے ایسے گل پھول موجود ہیں۔حکم دیا کہ ان کو بدر کرو۔اور کافی مقدار تر و تازہ گلدستوں سے مکان سجا ڈالا۔ادھر اس پرانی گھاس کا دور کرنا تھا کہ ایک سیاہ سانپ سوراخ سے نکلا اور نورِ نظر سلمہٗ کو ڈس کر چلتا ہوا۔ پھر کیا تھا فوراً حضرت ختم ہو گئے۔ دیکھو اس گھاس میں دو فائدے تھے۔ایک تو خوشبودار گھاس کی خوشبو بھی تھی۔ دوسرے ایک خاصیت اس میں یہ تھی کہ جہاں کہیں وہ رہے سانپ اسکے گرد پھٹکنے نہ پائے۔وہ گھاس گویا ایک قسم کا منتر تھی، اس خاصیت سے کوئی شخص واقف نہ تھا۔صاحبزادے بلند اقبال نے اپنے کمالِ عقل پر غرّہ کیا، آخر جانِ عزیز کھو بیٹھے۔ یہ خرابی کیوں واقع ہوئی؟ اس لیے ہوئی کہ ایک مقصد کے سوا دوسرا مقصد اس گھاس کے رکھنے کا وہ نہ سمجھا۔ یہ بہت بڑی غلطی ہے کہ جو بات انسان کے دائرہ

عقل میں نہ آئے وہ یہ سمجھے کہ قدرت بھی اس سے عاری ہے۔ کیا اس آیہ شریفہ کی خبر نہیں ہے کہ **وما اوتیتم من العلم الاقلیلا** (ہم نے تم کو بہت تھوڑا علم دیا ہے) وہ صاحبانِ کشف و کرامت اسی غلطی میں مبتلا ہوئے ایک بھید اسرارِ شریعت سے جوان پر ظاہر ہوا وہ سمجھے کہ اس کے سوا دوسرا راز نہیں، جیسا ابلیس سمجھا تھا، یہ بہت ہی بڑا دھوکا ہے جس میں سالکان اور روندگانِ طریقت پڑ جاتے ہیں۔ اور ایک سخت گھاٹی ہے جس میں اکثر لوگ ہلاک ہو کر رہ گئے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ رباعی۔

افگند دلم رخت بمنزل گاہے کا بخانہ بر بصد دلیلاں راہے
چون من دو ہزار عاشق اندر ماہے می کشتہ شوندو پر نیاید آہے

(ایک ایسی منزل کی طرف میرے دل نے قدم اٹھایا ہے، جہاں سینکڑوں رہبر بھی اگر ساتھ ہوں تو وہاں کا راستہ نہیں مل سکتا، میرے ہزاروں عاشق روزانہ مار ڈالے جاتے ہیں اور مجال نہیں کہ ایک آہ بھی منہ سے نکال سکیں۔)

دیکھو، بہت ہوشیار رہنے کا مقام ہے جس سالک کا قافلہ لوٹا گیا ہے وہ اسی بادیۂ خونخوار میں لٹا ہے۔ اس ہلاک شدہ قوم نے شریعت روی سے صرف ایک ہے مقصود جانا، حالانکہ اس میں دوسرے اسرار بھی پوشیدہ ہیں۔ کیسا عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے کہ انھیں کھلی کھلی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ ذرا غور کرنیکا مقام ہے کہ شریعت میں دوسرے اسرار نہ ہوتے تو خود حضرت محمد ﷺ کو اتنی نماز کی کیا حاجت تھی کہ پائے مبارک ورم کر جاتے تھے۔ کیا آپؐ یہ نہیں فرما سکتے تھے کہ نماز امت پر واجب ہے، پیغمبر ﷺ پر واجب نہیں۔ آخر آپ نے یہ کیوں ظاہر فرما دیا کہ نبی کے لیے نو بیویاں بیک وقت جائز ہیں مگر امت کے لیے بیک وقت چار بیوی سے زیادہ جائز نہیں۔ پھر آپؐ نے روزۂ وصال خود رکھا، اور امت کو منع فرمایا۔ بہر کیف علماء ہوں، مشائخ ہوں، صوفی ہوں، کوئی صاحب ہوں، جنکو واقعی کمال حاصل ہوا وہ جانتے ہیں کہ شریعت کا کوئی رکن بھید سے خالی نہیں اور ہر رکن سے سعادتِ آخرت وابستہ ہے۔ اگر بزرگوں کے معاملات پر غور کرو تو سمجھو کہ شریعت کے ساتھ ان کے کیا کیا آداب رہے ہیں، مرتے دم بھی آدابِ شریعت سے منہ نہیں موڑتے۔ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کا جب وقت آخر ہوا، ضعف کا عالم طاری تھا، حسب حکم ایک صاحب وضو کرانے میں مشغول ہوئے، عجب اتفاق کہ وہ صاحب ریش مبارک میں خلال کرانا بھول گئے۔ آپ نے خود سے ان کا ہاتھ پکڑا اور اس سنت کو پورا کیا۔ حاضرین نے عرض کی کہ اے میرے دین کے سردار ایسے نازک وقت میں تو اس قدر

تکلیف کی اجازت نہیں۔ آپ نے کہا سچ ہے، مگر یہ بھی تو دیکھو کہ اللہ کس کی بدولت ملا اسی اتباع شریعت نے وہاں تک پہنچایا۔ بیشک جو اہلِ کمال ہوتے ہیں ان کی یہی روش رہی ہے۔ البتہ اہلِ غرور تھوڑی بات میں پھول جاتے ہیں۔ انکا عجیب حال ہے جس چیز کو نہیں دیکھتے سمجھتے ہیں کہ وہ چیز ہی نہیں ہے۔ کیا نماز کے اسرار کو جاننا کھیل تماشا ہے۔ بڑے بڑے حقیقت آشنا بھی نہیں جانتے کہ پانچ وقت کی نماز کیوں ہوئی؟ تکبیر تحریمہ و قیام وقعود اور دیگر ارکان کیوں مقرر کیے گئے اور یہ ترتیب کیوں رکھی گئی کہ صبح کی نماز فرض دو رکعت، ظہر و عصر کی نماز فرض چار چار رکعت، مغرب کی نماز فرض تین رکعت، عشا کی نماز فرض چار رکعت اور رکوع ایک بار سجدہ دو بار ہر بات میں ایک بھید اور خاصیت ہے۔ باوجود حصولِ کمال اگر نماز کی بھی نگہداشت رہے گی تو البتہ موت کے وقت اثر ظاہر ہوگا اور اس کا راز کھلے گا۔ اگر نماز کی پابندی نہ ہوگی تو کوئی کمال وقت پر کام نہ آئے گا۔ بے نمازی صوفی موت کے وقت جب اپنی حالت خراب دیکھتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں کہ ہائے وہ کمال کیا ہوگیا۔ جواب ملتا ہے کہ مسمار نہ تھا جڑ ہل گئی۔ ابلیس کے ساتھ کیا ہوا؟ یہی ہوا کہ سارا کمال ایک نافرمانی کھو بیٹھی۔ یہی وہ گھاٹی ہے جہاں سالک مغرور ہو کر لٹ جاتے ہیں اور اصلی راز ان پر نہیں کھلتا۔ مثنوی:۔

مرد بے دانشے درراہ گمراہ — کہ راہِ دور وتاریک ست پر چاہ

چراغِ علم ودانش پیشِ خود دار — دگرنہ درچہ افتی سرنگوں سار

فغان زین صوفی کو در خار مانده — دلے در علم خود بے کار مانده

"(بغیر کسی رہبر و پیشوا کے راستہ نہ چل، کیونکہ راستہ دور اور اندھیرا ہے اور بیچ میں کنواں ہے۔ علم و عقل کا چراغ ہاتھ میں رکھ، نہیں تو کنویں میں اوندھا گر پڑیگا۔ ہائے وہ صوفی جو جھاڑ جنگل میں پھنس کر رہ گیا، اس کا علم کوئی کام نہ دے سکا)۔

اے بھائی، جو لوگ واقعی خوش نصیب اور حق رسیدہ ہیں۔ انکو دو آنکھیں ملتی ہیں۔ ایک آنکھ سے صفات آفاتِ نفسانی دیکھتے رہتے ہیں اور دوسری آنکھ سے صفاتِ کرامت یزدانی، ملاحظہ کرتے رہتے ہیں۔ جس وقت اس کی نوازش و اکرام کا مشاہدہ کرتے ہیں، ناز کرتے ہیں اور جب عجز و آفاتِ خاک پر نظر پڑتی ہے، پانی پانی ہو جاتے ہیں، اللہ اکبر

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم — گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

(میں کبھی سب سے اونچے آسمان کی بلندی پر پہنچ جاتا ہوں، اور کبھی اپنے پشتِ پا کو بھی نہیں دیکھ سکتا)

اسی شوریدہ عراق موختۂ آتش فراق پر ''بدونمایند کی حالت'' جس وقت طاری ہوتی تو کس دردناک لب ولہجہ میں کہہ گزرتا کہ یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرٰبًا. ولم اعرف هذا لحديث (کاش کہ میں خاک ہوتا اور مجھ کو محبت سے کچھ سروکار نہ ہوتا)۔ اور جب ''ازوبر بایند'' کی شراب پیتا تو مستی میں یہ نعرہ مارتا کہ ملائکہ ملکوت اور ساکنانِ ملاءِ اعلیٰ کہاں ہیں حاضر آئیں اور میرے تختِ دولت کے سامنے ہاتھ باندھ کر سیدھے کھڑے ہو جائیں اسی راز کو کسی نے کہا ہے۔ فرد

گہیم جائے نشیب ست وگاہ گاہ بلند   گہیم داغِ فراق ست وگاہ باغِ وصال

(کبھی میری جگہ پستی میں ہے کبھی بلندی پر، مجھ کو کبھی جدائی کے داغ کا مقابلہ کرنا ہے اور کبھی آنکھوں کے سامنے وصال کا پھلا پھولا باغ نظر آتا ہے)،

اب تصویرِ عالمِ محبت وطلب کا دوسرا رخ بھی دیکھ لو۔ اس مردِ خدا (آدمؑ) نے جس وقت ساری ملکوتی طاقت کی پونجیوں کو آتشِ عشق سے جلا کر خاکستر کر دیا تھا۔ اور بہشت کا مالک بنایا گیا تھا، اسی محبت کی بدولت اس پر ایک سخت وقت آپڑا، اور ایک بڑی مہم کا سامنا ہو گیا۔ ندا ہوئی کہ عاشق یوں چین سے نہیں رہتا، اور اس آسانی سے نہیں کھاتا پیتا، یہاں سے جاؤ اور جا کر قوتِ بازو اور جاں فشانی سے روزی حاصل کرو۔ کیا تماشہ ہے کہ خوشی میں اس قدر کم وقت گزرا۔ اور تین سو برسیں غم وحسرت میں گزارنی پڑیں۔ اللہ اللہ۔ فرد

گرچه کتی قهر بسے رازم   روے شکایت نه کسے رازما

(اگرچہ ہماری جیسے بہتوں پر تمھارا قہر وغصہ جاری ہے۔ مگر کسی کے لب پر کوئی شکوہ نہیں ہے)۔

والسلام۔

☆☆☆☆☆

اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَعَنْ اُمَّتِیْ مَا حَدَّثَتْ بِهِ اَنْفُسَهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ اَوْ تَتَكَلَّمْ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے معاف کیا میری امت میں سے ان (گناہ کی خواہشات وارادہ) کو جن کے بارہ میں نفس گفتگو کرتا ہے، جب تک کہ انسان اس کا کلام نہ کرے یا اس پر عمل نہ کرے۔

کتابت حدیث

حدیث کے متعلق بے اعتمادی پھیلانے والوں کی طرف سے یہ بات کہی جا رہی ہے کہ حدیثیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قلم بند نہیں کی گئی تھیں، بلکہ لکھنے کی خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمادی تھی، جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث ہے:

لتکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القران فلیمحه،وحدثوا عنی ولا حرج ومن کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدهٗ من النار

ترجمہ: مجھ سے کچھ نہ لکھو اور جس نے مجھ سے قرآن کے سوا کچھ لکھا ہے وہ اسے چاہئے کہ مٹا دے اور مجھ سے حدیثیں روایت کرو، اس میں کچھ حرج نہیں، اور جس نے میرے متعلق قصداً جھوٹ بولا اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم کو بنالے۔

امام بخاری وغیرہ دیگر محدثین کے نزدیک اس روایت پر کلام ہے، انکی تحقیق میں یہ الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں ہیں، بلکہ خود ابوسعید خدریؓ کے ہیں، جن کو غلطی سے راوی نے مرفوعاً نقل کردیا (فتح الباری جلد ا ص ۱۷۵)، لیکن بالفرض اگر اس حدیث کو موقوف نہیں بلکہ مرفوع ہی تسلیم کرلیا جائے، تب بھی یہ ممانعت وقتی و عارضی تھی، جو اس زمانے میں خاص طور سے حفاظت قرآن کے سلسلے میں دی گئی تھی، چونکہ حق تعالیٰ شانہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "جوامع الکلم" عطا فرمائے تھے، اس لئے اندیشہ تھا کہ یہ نئے نئے لوگ ابھی ابھی قرآن سے آشنا ہو رہے ہیں، کہیں دونوں کو خلط ملط نہ کردیں، اِدھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کے حافظے پر اعتماد تھا، مگر جب قرآن سے اشتباہ کا اندیشہ جاتا رہا تو کتابت حدیث کی اجازت دے دی گئی، بلکہ روایات سے آپ کا خود لکھوانا واملا کرانا ثابت ہے۔

(ا) جامع ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں بیٹھتے، آپ کی باتیں سنتے اور بہت پسند کرتے مگر یاد نہ رکھ پاتے، آخر انھوں نے اپنی یاداشت کی خرابی کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ سے حدیث سنتا ہوں وہ مجھے اچھی لگتی ہے، مگر میں اسے یاد نہیں رکھ سکتا، اس پر آپ نے یہ ارشاد فرماتے ہوئے کہ "**استعن بیمینک واومأ بیده للخط**" اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو، اور اپنے دست مبارک سے لکھنے کی

طرف اشارہ کیا.

(۲) حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بارگاہ نبوی میں شکایت کی کہ **یا رسول اللہ ان نسمع منک اشیاء فنکتبھا ؟** یا رسول اللہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بہت سی باتیں سنتے ہیں اور اس کو لکھ لیتے ہیں تو اس کی نسبت کیا حکم ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لکھتے رہو اس میں کوئی حرج نہیں. (مجمع الزوائد جلد اول ص ۱۵۱ بحوالہ طبرانی).

حضرت رافعؓ بن خدیج کے بیان سے معلوم ہوا کہ متعدد اشخاص کا دستور تھا کہ وہ حدیثیں سن کر لکھ لیتے تھے

(۳) حاکم صاحب مستدرک نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ " **قیدو االعلم بالکتاب** " علم کو قیدِ کتابت میں لے آؤ. (منتخب کنز العمال جلد ۴ ص ۶۹)

ان تمام باتوں کے باوجود یہ مسلّم ہے کہ قرآن مجید کی طرح حدیث کی تدوین کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ چونکہ نہی و اجازت دونوں روایات سے ثابت ہے، اس لئے اکثر لوگوں نے نہی کو منسوخ سمجھا، البتہ بعض علماء کا خیال تھا کہ نہی ان لوگوں کے لئے ہے، جس سے قرآن وسنت میں التباس و غلطی کا امکان تھا، اور جن کے متعلق اطمینان تھا انہیں لکھنے کی اجازت تھی۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ دونوں طرح کی روایات میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ قرآن مجید کی طرح حدیث کی کتابت میں زیادہ اہتمام و عمومیت کا رنگ نہیں دیا گیا، بلکہ انفرادی و شخصی طور پر لکھنے کی اجازت تھی، اس کے مطابق بعض لوگوں نے لکھا۔ اس کی تائید ضحاک کے قول سے بھی ہوتی ہے، انھوں نے فرمایا: **لاتتخذوا للحدیث کراریس کراریس المصاحف** " تم لوگ حدیث کیلئے کاپیاں نہ بناؤ جس طرح کہ مصاحف (قرآن مجید) کی کاپیاں ہیں.

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احکام و ہدایت کو قلم بند کروانا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ کتابت حدیث کی اجازت دی تھی بلکہ بہت سے مواقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھوانا اور املا کرانا بھی ثابت ہے.

(۱) فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا تھا، صحیح بخاری میں ہے کہ ابوشاہ یمنیؓ ایک صحابی کی درخواست پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطبہ لکھ کر ان کے حوالہ کرنے کا حکم دیا.

(۲) ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے مجمع سے پوچھا کہ کسی کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شوہر کی دیت میں بیوی کو کیا دلایا ہے؟ ضحاکؓ بن سفیان نے کھڑے ہو کر کہا مجھے معلوم ہے، آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ لکھوا کر یہ بھیجا تھا.

(۴) حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو جب ۱۰ ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران پر عامل بنا کر بھیجا، تو ایک تحریر لکھوا کر ان کے حوالے کی تھی، حافظ بن عبدالبر مالکی لکھتے ہیں: و کتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب الصدقات والدیات والفرائض والسنن لعمرو بن حزم وغیرہ (رسول اللہ ﷺ نے عمروؓ بن حزم کیلئے صدقات، دیات، فرائض وسنن کے متعلق ایک کتاب تحریر کروائی تھی)، محمد بن شہاب زہری کا بیان ہے کہ یہ کتاب چمڑے پر تحریر ہے، اور عمرو بن حزمؓ کے پوتے ابو بکر بن حزم کے پاس موجود تھی، وہ یہ کتاب میرے پاس بھی لے کر آئے تھے، اور میں نے اس کو پڑھا تھا. (سنن نسائی)

علامہ زیلعی بعض حفاظ سے نقل کرتے ہیں کہ عمروؓ بن حزم کی کتاب کے نسخہ کو ائمہ اربعہ نے قبول کیا ہے، اور یہ نسخہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے نسخے کی طرح متوارث ہے، (نصب الرایہ جلد ۳)

(۵) حضرت عبداللہ بن حکیمؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے ایک ماہ پیشتر قبیلہ جہینہ کی طرف لکھوا کر بھیجا تھا کہ مردار کی کھال اور پٹھوں کو کام میں نہ لایا جائے، جامع ترمذی میں وفات سے دو ماہ قبل مذکور ہے. (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی جلد ا)

ہم نے چند تحریروں کو بطور مثال پیش کیا ہے، ورنہ مختلف قبائل وافراد کے نام خطوط وتحریری احکام اور صلح نامے ودعوت نامے وغیرہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقتاً فوقتاً لکھوائے ہیں، ان کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے، اس موضوع پر علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں.

صحابہ کرامؓ اور کتابت حدیث

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کتابت حدیث کی عام اجازت دے دی گئی تھی، اس لئے بہت سے حضرات صحابہؓ نے انفرادی وشخصی طور پر حدیثوں کے مجموعے تحریری شکل میں تیار کئے تھے، اور بعض حضرات نے اپنے تلامذہ کے ذریعہ قلم بند کرایا تھا.

مگر واقعہ ہے کہ دورِ صحابہؓ میں کتابت حدیث کا عام رواج نہ ہوا، اس کے مختلف اسباب ہیں،

(۱) صحابہ کرام کی جماعت مختصر تھی، انہیں دین سارے عالم میں پہنچانا تھا، تصنیف وتالیف کے لئے سکون و اطمینان کی ضرورت ہے، (۲) وہ حافظے کے نہایت قوی تھے، انہیں کتابت کی چنداں ضرورت نہ تھی (۳) عام طور پر عربوں میں لکھنے کا رواج نہیں تھا اسلئے بھی اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی گئی.

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں عبداللہؓ بن عمرو بن العاص کے سوا مجھ سے زیادہ کسی کو حدیث یاد نہیں، مجھ سے زیادہ ان کے پاس حدیث کا سرمایہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتے اس کو لکھتے جاتے تھے اور میں نہ لکھتا تھا، (صحیح بخاری باب کتابتہ العلم)، ابو داؤد و مسند احمد میں ہے کہ بعض صحابہؓ نے عبداللہؓ بن عمرو ابن العاص سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی غصہ کی حالت میں ہوتے ہیں، کبھی خوش ہوتے ہیں اور تم سب لکھ لیتے ہو، عبداللہؓ بن عمرو نے اس بنا پر لکھنا چھوڑ دیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دہن مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تم لکھ لیا کرو! اس سے جو کچھ نکلتا ہے، حق نکلتا ہے، (ابوداؤ دجلد ۲ ص ۱۳۵)

عبداللہؓ بن عمرو نے اپنے اس صحیفہ کا نام صادقہ رکھا تھا، (طبقات ابن سعد جلد ۲) اور کہا کرتے تھے، مجھے زندگی کی آرزو صرف دو چیزوں نے پیدا کر رکھی ہے، جس میں ایک صادقہ ہے اور صادقہ وہ صحیفہ ہے جو آنحضرت ﷺ سے سن کر میں نے لکھا ہے، (سنن دارمی جلد ۱ ص ۲۹) یہ صحیفہ حضرت عبداللہؓ بن عمرو کی وفات پر ان کے پوتے شعیب بن عبداللہ کو ملا تھا اور شعیب سے ان کے صاحبزادے عمرو روایت کرتے ہیں، (جامع ترمذی جلد ۱ ص ۴۳) چنانچہ حدیث کی کتابوں میں جتنی روایتیں اس سلسلے سے منقول ہیں، وہ سب صحیفہ صادقہ کی حدیثیں ہیں

(۲) سعید بن ہلال کا بیان ہے کہ ہم جب حضرت انسؓ سے زیادہ پوچھ گچھ لگاتے تو وہ اپنے پاس سے ایک نوشتہ نکالتے اور فرماتے کہ یہ ہیں وہ حدیثیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنیں اور ان کو لکھا اور لکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کر چکا ہوں. (مستدرک حاکم)

(۳) امام ترمذی نے کتاب العلل میں عکرمہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس طائف کے کچھ لوگ ان کی کتابوں کو لیکر حاضر ہوئے، اور ان کے سامنے ان کی کتابوں کو پڑھنے لگے. (جامع ترمذی کتاب العلل)

(۴) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس ایک صحیفہ تھا، جس کے متعلق ان کا خود بیان ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بجز قرآن کے اور جو کچھ اس صحیفہ میں درج ہے، اس کے سوا اور کچھ نہیں لکھا، یہ صحیفہ چمڑے کے ایک تھیلے میں تھا، جس میں حضرت علیؓ کی تلوار بمع نیام کے رکھی رہتی تھی۔ (صحیح مسلم)

(۵) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن ایک کتاب نکال کر لائے اور قسم کھا کر کہا کہ یہ خود حضرت عبداللہ ابن مسعود کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے. (جامع بیان العلم جلد ۱ ص ۱۷)

(۶) حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں امام حسن بصری کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت سمرہؓ بن جندب سے حدیث کا ایک بہت بڑا نسخہ روایت کیا ہے، جس کی بیشتر حدیثیں سنن اربعہ میں منقول ہیں، علی ابن المدینی اور امام بخاری دونوں نے تصریح کی ہے کہ اس نسخہ کی سب حدیثیں ان کی مسموعہ تھیں، لیکن یحییٰ بن سعید القطان اور دیگر علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ سب نوشتہ سے روایت ہیں، اس نسخہ کو امام حسن کے علاوہ حضرت سمرہؓ بن جندب کے صاحبزادے سلیمان بن سمرہ بھی ان سے روایت کرتے ہیں، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: **روی عن ابیه کبیرة** . (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۱۹۸)

ہم نے صحابہ کرامؓ کی چند مشہور تحریروں کا یہاں ذکر کیا ہے، ورنہ ان کے تمام نوشتے جس میں کسی حدیث کے لکھنے کا ذکر ہے، اس پر مستقل کتاب لکھی جا سکتی ہے. (باقی آئندہ)

(ماخوذ از: محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک بادشاہ کسی بزرگ کی زیارت کو گئے۔ خانقاہ کے دروازے پر پہنچے تو دربان نے روک دیا کہ میں اوّل شیخ کو اطلاع کردوں اگر اجازت دے دی تب اندر جانا۔ بادشاہ کو دربان کی یہ حرکت سخت ناگوار ہوئی مگر چونکہ معتقدانہ آیا تھا اس لیے خاموش رہ گیا۔ دربان نے شیخ کو اطلاع کی کہ بادشاہ سلامت زیارت کو آنا چاہتے ہیں، وہاں سے اجازت ہوگئی۔ جھلایا ہوا تو تھا ہی بزرگ کے سامنے جاتے ہی برجستہ یہ مصرع پڑھا کہ

ع در درویش را درباں نہ باید (درویش کے دروازے پر دربان نہیں ہونا چاہئے)

بزرگ نے فی البدیہ یہ جواب دیا،

بباید تا سگ دنیا نیاید (ہونا چاہئے تا کہ دنیا کے کتے نہ آئیں)

بادشاہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

اسی طرح جب شاہ جہاں حضرت سلیم چشتیؒ کی زیارت کو گئے تو شیخ پہلے تو پیر سمیٹے ہوئے بیٹھے تھے بادشاہ کے پہنچنے پر پیر لمبے کر کے بیٹھ گئے۔ بادشاہ کے ساتھ ایک عالم بھی تھے انھوں نے اس حرکت سے سخت نفرت ظاہر کرتے ہوئے سوال کیا کہ آپ نے پیر لمبے کب سے کر دیئے؟ شیخ نے فی البدیہہ جواب دیا کہ جب سے ہاتھ سمیٹ لیے۔ (علم و عمل۔ مواعظ مولانا اشرف علی تھانویؒ)

مجالس وعظ اور نصیحت پذیری

عوام دولتمندوں اور فقراء میں سے کچھ لوگ ہیں جن کو مجلس وعظ کی شرکت سے دھوکہ لگا ہے، ان کا اعتقاد ہے کہ محض ان مجالس میں شرکت کافی ہے۔ انھوں نے اس کو ایک معمول بنالیا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ عمل اور نصیحت پذیری کے بغیر بھی محض مجلس وعظ میں شرکت باعث اجر ہے۔ وہ بڑے دھوکے میں مبتلاء ہیں، اس لیے کہ مجلس وعظ کی فضیلت محض اس لیے ہے کہ اس سے خیر کی ترغیب ہوتی ہے، اگر اس سے خیر کی آمادگی اور اس کا جذبہ نہیں پیدا ہوتا تو اس میں کچھ خیر نہیں۔ رغبت بھی اس لیے محمود ہے کہ وہ عمل کی محرک ہے، اگر اس میں عمل پر آمادہ کرنے کی قوت نہیں تو اس میں بھی کوئی خیر نہیں۔ جو چیز کسی مقصد کا ذریعہ ہوتی ہے اس کی قیمت محض مقصد کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے ہے، اگر وہ مقصد اس سے پورا نہ ہو تو وہ بے قیمت ہے۔

کبھی واعظ سے مجلس وعظ اور گریہ و بقا کی فضیلت سن کر اس کو دھوکا ہوتا ہے، کبھی کبھی اس پر عورتوں کی طرح رقت طاری ہوتی ہے اور وہ رونے لگتا ہے، لیکن عزم (اطاعت احکام اور ترک معصیت) کا کہیں پتہ نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی کوئی ڈرانے والی بات سنتا ہے اور وہ تالیاں پیٹتا ہے اور کہتا ہے الٰہی توبہ! خدایا تیری پناہ، اور سمجھتا ہے کہ اس نے حق ادا کردیا۔ حالانکہ وہ دھوکہ میں ہے، اس کی مثال اس مریض کی سی ہے جو کسی طبیب کے مطب میں بیٹھتا ہے اور نسخے سنتا رہتا ہے، لیکن اس سے اس کو صحت نہیں ہوسکتی۔ یا ایک بھوکا آدمی کسی سے کھانے کی انواع واقسام کی فہرست سنتا ہے تو اس سے اس کی بھوک نہیں مٹ سکتی، اور اس کا پیٹ نہیں بھر سکتا۔ اسی طرح سے طاعات واعمال کی تشریح وتفصیل کا سنتے رہنا اللہ کے یہاں کچھ کام نہیں آئے گا، اسی طرح سے ہر وعظ جو تمہاری حالت میں تغیر پیدا نہ کرے جس سے تمہارے اعمال میں تغیر ہوجائے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف انابت اور رجوع (قوی یا ضعیف) پیدا ہو اور دنیا سے بے رغبتی اور اعراض پیدا ہو وہ وعظ تمہارے لیے وبال اور تمہارے خلاف ایک دلیل کا کام دے گا۔ اگر تم خالی خولی وعظ کو وسیلۂ نجات اور ذریعہ مغفرت سمجھتے ہو تو دھوکہ میں ہو۔ (احیاء العلوم الدین۔ ج ۳)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت ابو القاسم جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ اپنی نگاہ کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں مصروف کردو اور جس آنکھ کے ذریعے تم نے اللہ عزوجل کا دیدار کرنا ہے اس کو غیر اللہ سے بند کردو ورنہ اللہ کی نظروں سے گر جاؤ گے